⊙ حفصہ ثانیہ

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی ملتان

⊙⊙ سارہ عنبر

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی ملتان

مورخینِ ادب سے نظر انداز ہونے والے جعفر زٹلی

Abstract:

Generally our historian of language and literature has neglected those poets who were unpopular or less credible in power corridors or their mock language was never reconstructed to determine the metaphoric resistance on their part. Likewise our critics neglected less talked sources in contemporary history which adopted a tone different to the 'official' tone. Pointing out of such evidences give us an insight and view of indigenous perception of growth of language and literature. In this article these omissions have been unfolded.

Keywords:

Unpopular Resistance Poetry Satire Urdu Jafar Zatali

اردو شاعری کے ابتدائی ذخیرے کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو احساس ہوگا کہ اس میں بہت کچھ نظر انداز ہوگیا کیوں کہ فارسی کی مقبول صنف غزل کی پیروی میں ہمارے نقادوں، تذکرہ نگاروں اور مورخین ادب نے کسی بھی شاعر کی تخلیقی صلاحیت کی عکس جمیل یا نقشِ مقبول غزل کو ہی سمجھا اس طرح مثنویاں، قصائد، شہر آشوب اور ہجویات کا ایک بڑا سرمایہ اپنے سیاق وسباق کے ساتھ نظر انداز ہوا ہے۔ یوں صرفِ نظر کرنے کی دوسری بڑی وجہ مرکز اِقتدار یا شاہی دربار میں قبولیت کے پیمانے تھے، جن کے مطابق حسن وعشق کے بیشتر تلازمات کو بھی طوائف کی جلوہ سامانی سے منسلک کر دیا گیا تھا۔

مبالغہ، حاجت طلبی، اور دورِ زوال کو قریب تر لانے والے حکمرانوں کی خوشامد طلبی نے اہم شعراء کا عمومی اعتبار بھی گرا دیا، پھر جب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کا اقتدار کلی طور پر قائم ہوا تو پھر حاکم کی ترجیحات کے مطابق اُردو شعروادب پر ایک طرح سے حقارت کی نظر ڈالی گئی کہ یہ تو خلاف حقیقت ہے، خلاف فطرت ہے، ابتذال کا رنگ لئے

ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ[مقدمہ شعر و شاعری میں اردو غزل پر حالی کے اعتراضات ہی دیکھ لیجئے]۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین اور مورخین ادب کے ہاں ایک کم مقبول یا کم باریاب شاعر جعفر زٹلی (۱۶۵۸ء۔۱۷۱۳ء) کا جب ہم ذکرِ مزاحمت اور حاکم کے ہاتھوں اس کی موت کا ذکر سنتے ہیں تو چونک جاتے ہیں۔

جعفر زٹلی کا ذکر ہمیں اس لئے چونکا دیتا ہے کہ ایک سادہ لوح شاعر جو دوسروں کے اندرونی جذبات کو مزاحیہ انداز میں بطور تمسخر بیان کرتا ہے، تو پھر کیوں بادشاہِ وقت (فرخ سیر، تسمہ کش) کو اپنے ہاتھوں اپنے مخصوص تسمے سے گلا گھونٹ کے بظاہر اس 'عام سے شاعر' کو موت کی گھاٹ اُتارنے کی ضرورت محسوس ہوئی؟ آیئے ایک اجمالی نظر ذرا جعفر زٹلی کے احوال پر:

جعفر زٹلی (۱۶۵۸۔۱۷۱۳) دہلی کے گاؤں نرنیال موجودہ ہریانہ میں پیدا ہوئے۔ زٹلی کے لکھنے کا آغاز مغل بادشاہ اورنگ زیب کے عہد سے ہوتا ہے۔ جعفر زٹلی کا اصل نام میر محمد جعفر تھا۔ زِٹلی، کا ملامتی تخلص انہوں نے اپنے نام کے ساتھ جوڑ لیا تھا، جیسا کہ نامور محقق رشید حسن خاں (۱۹۲۵۔۲۰۰۶) لکھتے ہیں:

''زٹلی نام کا جزو بن گیا، یہ خود جعفر کا اختیار کردہ ہے اس نے اسی نسبت سے اپنے دیوان کا نام ''زٹل نامہ'' رکھا تھا۔''(۱)

اس سلسلے میں جعفر کا شعر بھی موجود ہے:

جعفر شکر کن کہ در عالم
جا بہ جا نام تو زٹلی شد

رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''محمد جعفر'' اصل نام ہے اور میر سابقہ ہے، جو سید ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔''(۲)

اردو ادب کے روایتی طالب علم کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شاعر جو جبر کے ماحول میں جرات سے اپنے عہد کے حالات کی بے نظمی اور بے ترتیبی بیان کرتا ہے۔ اُس دور کے تذکرہ نگار اِس کو محض ہزل گو، منہ پھٹ، شوخ مزاج، کہہ کے کیوں قصہ ختم کرتے ہیں؟ بجائے اس کے کہ اس کی فحش گوئی یا ہزل گوئی یا پردہ ابتذال کج کی تنقیدی زبان میں 'ردِ تشکیل' کر کے تب کی سماجی اور سیاسی تاریخ کی اس معنویت کو تلاش کرتے جسے سرکاری مورخ قلم زد کر دیتے ہیں۔

جعفر زٹلی کو ہمارے ناقدین وہ مقام نہ دے سکے جو اُس دور کے شعراء خاص طور پہ ولی دکنی (۱۶۶۷ء۔۱۷۰۷ء) یا سراج اورنگ آبادی (۱۷۱۲ء۔۱۷۶۳ء) کو دیا گیا۔ کیا اس لئے کہ وہ درباری شاعروں کی طرح خوشامدی نہ تھا، یا یہ کہ وہ فحش گو تھا یا پھر وہ فارسی کے سائے میں پروان چڑھنے والے مصنوعی پیرایہ اظہار سے انحراف کر رہا تھا؟! مورخین ادب نے یہ دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کونسے سیاسی، سماجی محرکات ہیں جو جعفر کو فحش گوئی پہ اُکساتے ہیں، حالانکہ انہی مورخین نے قائم چاند پوری (۱۷۲۲ء۔۱۷۹۳ء)، اور مرزا رفیع سودا (۱۷۱۳ء۔۱۷۸۱ء) کے شہر آشوب کو سماجی اور سیاسی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اصل میں ہمارے ناقدین کا قلم اِس عہد کے ہمارے اُن شعراء کے گرد گھومتا محسوس ہوتا ہے جو اس پُر آشوب زمانے میں بھی قصہ بتاں، یا گل و بلبل سے آگے نہ بڑھے۔ اِس پُر آشوب عہد میں جعفر اپنے کھردرے لہجے

میں کبھی ہنساتے ہوئے کبھی رلاتے ہوئے اِس سماج کی کھوکھلی امارت، اور بغیر پیندے کی سرداری کی بظاہر مزاحیہ دراصل سنجیدہ تاہم مضحکہ خیز تصویر کشی کرتے رہے:

رُوز بہ ہیبت گذرد، شب بہ ہول
خاک بریں زیستن و فعل و قول
پُر خس و خاشاک بہ سر ٹوکری
نزدِ زخرد بہتر ازیں نوکری

(مورچل نامہ، زٹل نامہ، ص۱۴۳)

اگر جعفرؔ کو اُردو کا جراتِ اظہار کا پہلا عوامی شاعر کہا جائے تو بے جا نا ہوگا۔ کیوں کہ اُردو شاعری جب فارسی سے اُردو کا سفر طے کر رہی تھی اور ریختہ کا نام پا رہی تھی۔ اس وقت جعفرؔ زٹلی اس ریختہ زبان میں شاعری کر رہا تھا، جس کا خمیر عوامی بول چال سے اٹھایا گیا تھا مگر تذکرہ نویسوں نے اس کی اس خدمت کو نمایاں کرنے کی کوئی خاص سعی نہیں کی، جبکہ زٹل نامہ میں اس حوالے سے اُردو زبان کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

رشید حسن خاں اپنی مرتبہ کتاب زٹل نامہ میں ہی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ جعفرؔ کا کلام جس طرح شمالی ہند میں اِرتقائے زبان کی پہلی کڑی کی حیثیت ہے۔ اسی طرح سماجی مسائل و مشکلات کے پُر زور اور پُر شعور بیان کے لحاظ سے جعفرؔ اُردو کا اولین شاعر ہے۔ جس نے اپنے عہد کی ترجمانی کی۔ جس کا کلام اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دہلی میں اردو شاعری کا آغاز غزل کی روایت سے نہیں ہوتا بلکہ احتجاجی شاعری نے نظموں کی صورت میں اپنے نقش درست کئے تھے۔''(۳)

آج نئے تنقیدی اور لسانی پیمانے ادب کے طالب علم کے مددگار ہو سکتے ہیں کہ وہ شمالی ہند میں شاعری کے اس دور سے واقفیت حاصل کریں جس کا سب بڑا نمائندہ جعفرؔ ہے۔ جعفرؔ کلام میں موضوع کی مناسبت سے اپنے لہجے میں کھردرا پن اور بے باکی کی کیفیت پیدا کر لیتا ہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو خدائے سخن میر تقی میر (۱۷۲۳ء۔۱۸۱۰ء) کے کلام میں موجود پُر آشوب زمانے کا درد (بدنظمی، سیاسی بگاڑ، غربت و افلاس) اپنے تمام تر داخلی، خارجی تاثرات کے ساتھ موجود ہے، اس کی ابتدائی جھلک جعفرؔ کے کلام میں موجود ہے۔

رکت کے آنسوؤں دل روؤتا ہے
نہ میٹھی نیند کوئی سوؤتا ہے

☆

صدائے توپ و بندوق است ہر سو
بہ سر اسباب و صندوق است ہر سو

(مقدمہ مرتب، زٹل نامہ ص۱۸)

جعفؔر کے کلام میں کھر دراپن اور بے با کی جا بجا ملتی ہے۔اس کے لہجے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سماجی حالات پر ایسا نشتر چلا رہا ہے، جس سے بادشاہ وقت کی حیثیت معلوم ہوتی ہے اور تاریخ اپنے خون ہونے کی زبان خود بولنے لگتی ہے:

من آں رستمِ وقت روئیں تنم
کہ دہ پاپڑ ، از مشتِ خود بشکنم
کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر
بر آرم دمار از سرِ مور پیر
من آ نم اگر اسپ جولاں کنم
چہل خانہ موش ویراں کنم
دریں دو ر ثانی رستم منم
بتاشہ بہ گُرزِ گراں بشکنم

(ایضاً،ص۲۱)

آ گے چل کے جعفؔر اپنے عہد کے زوال کی ترجمانی کرتا ہے جبکہ حاکم کو بھی زچہ بننے اور امرا کو بھی مفعولیت کا شوق ہے، وہ عوامی زبان میں ان کے حاکمانہ کھیل کا نام بھی لے لیتا ہے جو محلات سے باہر عوامی چوپالوں پر ٹھٹھے کا موضوع تھا۔

بادشاہی ہے بہادر شاہ کی
بن بنا کر 'گنڈ مروا' کھیلیے

حکم قاضی محتسب زائل شُد
دل بڑھا کے' گنڈ مروا' کھیلیے

(گنڈ مروّا نامہ، زٹل نامہ، ص۱۴۹)

اب اگر دیکھا جائے تو یہی روایت جو جعفؔر کے ہاں ملتی ہے، آ گے چل کے شہر آشوب کے لئے پیش قدم ثابت ہوتی ہے۔جیسا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے (۱۹۲۹ء۔۲۰۱۹ء) میں لکھا ہے:

'' اسکی ہجویہ شاعری کا مزاج شہر آشوب کی صنف کا ہے۔اُس کے لب و لہجے سے آیندہ دور میں لکھے جانے والے شہر آشوبوں کا مزاج متعین ہوتا ہے۔''(۴)

جعفؔر کو اُردو کا نمائندہ شاعر بنانے میں اہم کردار اسکی احتجاجی شاعری کا ہے۔جعفر کے کھردرے پن ہی کا امتیاز

ہے کہ اس کا لہجہ اُن ریشمی گلابوں کی لپیٹ محفوظ سے رہا جو ذومعنیت پیدا کرتا رہا۔

جعفؔر کے کلام کا مطالعہ کرنے کا بعد اس بات کا احساس مزید بڑھتا جاتا ہے۔ کہ ہمارے بہت سے تذکرہ نگاروں نے جعفر کے کلام کا صرف وہ حصہ دیکھا، جس میں اسکا مختصر سا حصہ فحش گوئی پر مشتمل تھا۔ مگر ہمارے پہلے اور بعد میں آنے والوں میں سے بہت سوں نے اسی حصے کو جعفؔر کا پورا کلام تصور کر لیا۔ مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء۔۱۹۱۰ء) نے بھی کچھ اسی طرح لکھا ہے:

''میر جعفؔر زٹل کے کلام کو میں محمد شاہی، بلکہ اس سے پہلے زمانے کا نمونہ کہتا؛ مگر زٹل کا اعتبار کیا۔'' (۵)

مزید افسوس ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی نئے زمانے کے ناقدین اور مرتبین کا یہ تغافل جعفر زٹلی کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔ ۲۰۱۷ء میں ہندی اردو کے ایک سینئر ادیب، مدیر اور محقق نند کشور وکرم [و:۲۰۱۹ء] نے تذکرہ شعراء نامی اپنی کتاب میں تاریخ زبان اردو کے اوراق پہ چمکنے والے سو شعراء کا ذکر کیا ہے، مگر وہ اس کتاب میں جعفؔر کے لیے وہ ایک صفحہ تو کیا ایک سطر بھی مختص نہ کر سکے (۶)۔

جعفر کے حالاتِ زندگی بہت کم کتب میں ملتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ''نادرۂ زمان اور اعجوبۂ دوران تھا، زبان گزیدہ رکھتا تھا'' (۷)۔ چند تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے جیسے کہ قائمؔ نے لکھا ہے کہ ''سخن وری کی بنیاد زیادہ تر ہزل پر تھی، اس بنا پر وہ زٹلی کہلانے لگا تھا اور اسی باعث اس کے کلام نے عوام میں مقبولیت حاصل کر لی تھی'' (۸)۔ شفیق اورنگ زیب آبادی نے لکھا ہے کہ ''منہ پھٹ اور شوخ مزاج آدمی تھا، اس کے اشعار مشہور عالم اور محتاج تحریر نہیں ہیں۔ مضامین صاف اور روزمرہ کے مطابق ہوتے تھے'' (۹)۔ محمد اعظم بادشاہ کا قول تھا ''اگر جعفر زٹل نہ کہتا تو ملک الشعرا کا درجہ پاتا۔ یقیناً اس کے روزمرہ کا انداز جداگانہ طرز رکھتا ہے۔ اس کے وقائع اور رقعات مشہورِ آفاق ہیں'' (۱۰)۔ شورش نے لکھا ہے ''ساکن شاہ جہاں آباد اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ استعداد درست رکھتا تھا۔ اس فن میں اپنے وقت کا کامل ہو گیا تھا، فرخ سیر کا سکہ لکھنے پر بادشاہ کا مزاج برہم ہوا۔ ان کو جنت بھجوا دیا'' (۱۱)۔ مجموعہ نغز میں لکھا ہے کہ ''مردے مزاح و ہزال وذی علم و موزوں طبع از نواح دہلی بود'' (۱۲)۔ صرف یہ حالات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نارنول کا رہنے والا تھا اور دہلی میں مدت سے سکونت رکھتا تھا۔ ذی علم و موزوں طبع تھا۔ اپنے فن میں نادرۂ زمان تھا اور اس کا کلام عالمگیر و مشہور تھا۔ زٹل نہ کہتا تو ملک الشعرا ہوتا۔ اس کا طرز علیحدہ و منفرد ہے۔ اس نے نظم اور نثر دونوں میں اپنے جوہر کا کمال دکھایا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں زر جعفری (۱۳) کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں جعفر کے کلیات کو سامنے رکھ کر محض قصہ کہانیوں کے خالی پیچ لڑائے گئے ہیں۔ جعفر کا پورا نام محمد جعفر تھا۔ وہ میر نہیں مرزا تھے جیسا کہ اس مثنوی سے ظاہر ہوتا ہے جو جعفر نے ''کنخدائی میرزا جعفر'' کے نام سے اپنی بیوی کی ہجو میں لکھی تھی (۱۴)۔

مرزا محمد جعفر خود کو بھی جعفر زٹلی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جیسا کہ اکثر اشعار اور رقعات نثر سے معلوم ہوتا ہے:

کشتیٔ امیدِ جعفر در بھنور افتادہ است
ڈبکوں ڈبکوں می کند از یک توجہ پارکن
(رقعہ بہ شیخ الاسلام، زٹل نامہ، ص۸۹)

بہادر شاہ کی بادشاہی ۱۱۱۸ھ سے ۱۱۲۴ھ (۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۲ء) تک رہی۔ کلیات میں خان جہاں بہادر کوکلتاش کی ایک ہجو ملتی ہے۔ یہ ایک عالمگیری سردار تھا جس نے ۱۱۰۹ھ بمطابق ۹۸۔۱۶۹۷ء میں وفات پائی۔ کلیات میں ''ہجو شاکر خاں فوج دار'' کے نام سے ایک نظم ملتی ہے۔ نواب شاکر خاں کو اورنگ زیب نے ۱۱۱۰ھ /۹۹۔۱۶۹۸ء میں حکومت شاہ جہاں آباد سے سرفراز کیا تھا اور بیدل نے چند فقرات تاریخ لکھ کر نواب کی خدمت میں بھیجے تھے جن سے ۱۱۱۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔ فرخ سیر نے تخت پر بیٹھتے ہی میر جملہ کے مشورے پر مخالف گروہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا تھا جن میں سعد اللہ خاں، ہدایت کیش، سیدی قاسم، شاہ قدر اللہ الہ آبادی اور ذوالفقار خاں امیر الامراء شامل تھے۔ ذوالفقار خاں کے دیوان سبھا چند کی زبان کٹوا دی تھی۔ جہاندار شاہ کے بڑے بیٹے عزالدین کو، محمد اعظم شاہ کے بیٹے والا تبار کو اور اپنے چھوٹے بھائی ہمایوں بخت کو، جس کی عمر دس سال تھی، اندھا کرا دیا تھا۔ کچھ عرصے بعد شادمان خواص اور جعفر زٹلی کو بھی نئی بادشاہت کی تضحیک پر قتل کرا دیا(۱۵)۔

سکہ زداز فضل حق برسیم وزر　　پادشاہ بحر وبر فرخ سیر

جعفر زٹلی نے اس کے جواب میں یہ ''سکہ'' لکھ کر اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا:

سکہ زد بر گندم وموٹھ ومٹر　　بادشاہ ہے تسمہ کش فرخ سیر

یہ شعر جیسے ہی جعفر زٹلی کے منہ سے نکلا لوگوں کے جذبات کا ترجمان بن کر مشہور ہو گیا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو اسے بھی قتل کرا دیا۔ ایک بیاض میں جعفر زٹلی کی یہ تاریخ وفات ملتی ہے(۱۶)۔

چو جعفر زٹلی تہ خاک شد　　خرد گفت ''خس کم جہاں پاک شد''

لیکن اس سے ۱۱۰۶ھ /۹۵۔۱۶۹۴ برآمد ہوتے ہیں اور محولہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ تاریخ ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی۔ ایک اور بیاض میں یہ قطعہ تاریخ وفات ملتا ہے(۱۷)۔

چھٹے سب با وفا جیون کے ساتھی　　لگی تن من میں اب ویتاگ کی آگ
''حویلی'' چھوڑ ، یو بولا زٹلی　　''اندھیری گور میں لٹکن لگے پاگ''

(۱۱۸۹۔۶۴=۱۱۲۵ھ)

جعفر کے کلام کو زٹل، پوچ، ہزل کہنے والوں نے شاید کبھی اس کے کلام میں درد، ہمدردی اور کرب کی یہ لہریں اٹھتے نہیں دیکھیں، یکلخت منظر بدل جاتا ہے اور شاعر کی تخلیقیت کی اور ابعاد بھی سامنے آتی ہیں۔

در بیکسی ہا بودۂ ، بادرد وغم آلودۂ
مفلس شدی ودر بدر کہ جعفر اب کیسی بنی

از ہجو آں سلطانِ خود کردی پریشاں جانِ خود
درماندۂ بے بال و پر کہ جعفر اب کیسی بنی
آں دیدن شہزادہ کوں، آں ساقی وآں بادہ کوں
کردی خطا خود سر بسر کہ جعفر اب کیسی بنی
مرہون خار و خس شدی، ممنونِ ہر ناکس شدی
گشتی چو سنگِ رہ گزر کہ جعفر اب کیسی بنی
دل کوں ٹھکانے لاؤ اب کر صبر مت پچھتاؤ اب
ہرگز مگو بارِ دگر کہ جعفر اب کیسی بنی

(حسبِ حال خود گفتہ، زٹل نامہ، ص ۱۴۷)

زٹلی تخلص ایک طرح سے لقب بن گیا، جسے اختیار کرنے سے متعلق دو مختلف روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ قاسم لکھتا ہے کہ جعفر کہا کرتا تھا کہ میں کتنی بھی کوشش کروں، سعدی یا فردوسی نہیں بن سکتا۔ پس زٹل کہتا ہوں کہ کسی طور ممتاز عالم تو ہو جاؤں۔

شورش کا بیان ہے کہ جعفر نے ایک بار ہمعصر شاعروں کے سامنے اپنا یہ فارسی شعر پڑھا:

مارا اگرچہ دیدن دُرِ یتیم نیست — نظارہ سوے دانۂ شبنم غنیمت است

ان شعرا نے رشک کے مارے اس شعر کو زٹل قرار دیا۔ جعفر نے جواب دیا کہ اگر یہ زٹل ہے تو میں زٹل ہی کہوں گا:

گر نیچہ پیچدار میسر نہ آیدت — ناچار چمراحقۂ سگ دُم غنیمت است

(۱۸)

یہ درست ہے کہ اس کے زمانے کے عوام، ان کے سینہ گزٹ یا مجلسوں میں جعفر کا یہ لب ولہجہ مقبول ہوا اور یہی معروف معنوں میں ان کا فن سمجھا گیا۔

بیٹھا رہوں میں حجرے بھیتر — پنجرے میں جوں لنڈا تیتر
چار پانچ دن بیاہی بیتے — بی بی نے تب راہی کیتے
جھگڑا رگڑا بڑا پسارا — لاگی ہونے مارک مارا
دئی دھما دھم ایدھیر اودھر — اب مولا میں جاؤں کیدھر
بات بات میں کنٹھی دابے — ہڈی کڈی میری چابے
ہاتھی ہو کر مجھ کو پیلا — چیل جھپٹا مجھ سے کھیلا

(۱۹)

اسی طرح بڑھاپے میں انسان کی جو حالت ہو جاتی ہے اسے جعفر بڑے دلچسپ استعاروں میں بیان کرتا ہے۔ پیری کو

وہ دیوار کو کلڑھ لگ جانا، پرانی اینٹوں کا گھسنا، چھان اور بندھن کا بودا ہونا، گلگلوں کا پلپلا ہونا اور برتن جھوجھرا ہونا کہہ کر ہمارا ذہن انسان کی فنا پذیر جسمانی حالت کی طرف منتقل کر لیتا ہے۔

کلّر لگا دیوار کو کہ جعفر اب کیا کیجئے — خطرہ ہوا آثار کو ، کہ جعفر اب کیا کیجئے
اینٹیں پرانی گھس چلیں ، ماٹی تمامی رِس چلی — کیا دوس ہے معمار کو ، کہ جعفر اب کیا کیجئے
بودے ہوئے ہیں چھان بھی اور بانس بندھن بان بھی — کیوں کر رکھوں گھر بار کو ، کہ جعفر اب کیا کیجئے
میں جو پکائے گلگلے وہ ہوگئے ہیں پلپلے — کیوں کر چلوں سسرار کو ، کہ جعفر اب کیا کیجئے
برتن بھیا ہے جھو جھرا ، لاگا نکلنے کھو جڑا — کیا مہنا کمہار کو ، کہ جعفر اب کیا کیجئے

(کلّر نامہ، زٹل نامہ، ص۲۲۴)

یہی نہیں اس زمانے میں عورتوں میں بھی تلذذ بالذات کا رجحان زور پکڑ گیا تھا۔ اس جنسی مرض میں عورت کو مرد سے نفرت ہو جاتی ہے اور اسے ہم جنس ہی سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔ جعفر کی مثنوی در مذمت زنان و چپٹی نامہ کہ زنان قحبہ را بہتر می نماید میں اس مرض کی علامتوں اور ایسی مریض عورتوں کے احساسات اور تاثرات بڑی صراحت سے بیان ہوئے ہیں۔ یہ نظم جعفر کی باریک بینی اور اپنے گردوپیش سے بخوبی باخبر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اسے اپنے ان تجربات اور مشاہدات کی وجہ سے عورتوں کے بارے میں اتنی معلومات حاصل ہوگئی تھیں کہ وہ ان کی ہر حرکت اور ادا سے فوراً ان کے کردار کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ اس نے اپنا یہ علم ''دستور العمل نصیحت آمیز و علت انگیز'' میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ جو مشورے دیتا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب کنندہ، بے حیائی اور ناروا حرکتوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔

یہی نہیں وہ حاکموں کے پسندیدہ قلعوں، شہروں اور دمدموں کا بھی مذاق اڑاتا ہے، بلکہ ظالم یا بے تدبیر کی ناخلف ہو جانے والی اس اولاد کا ذکر کر دیتا ہے جن کی بدولت کئی برس خانہ جنگی رہی، یہ انداز بھی ایک سطح پر اس کی مزاحمت یا باغیانہ لہجے کی گونج لئے ہوئے ہے۔

عجب اوٹ ایں کوٹ بیچا پوراست — کہ ہر برج او مشکل بھینسا سراست
چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاؤ — کہ انگشت رانیست دروے ٹکاؤ

☆

بڑے جھاڑ جھنکاڑ اورنگ شاہ — کندکارِ صد تیغ دریک نگاہ
بڑی دُند ڈالی دکن بیچ آئے — سکندر حسن کو کیا رنج لائے
زحولِ خیال شہِ داد گر — تفرقہ پڑا مہر اور ماہ پر

☆

زہے بادشاہ اوجڑا دیو بھوت — بلے و ولی نعمت چار پوت

ازیں تین بیٹے نپٹ نا خلف　　پسر خود خلف بہ ، دگر نہ تلف
دگر یک پسر بر سر رہ شود　　شہنشاہ از سکہ برمہ شود

(درتعریف اورنگ زیب، زٹل نامہ، ص۱۲۵تا۱۲۹)

جعفر زٹلی کے کلیات میں بے شک الحاقی کلام بھی شامل ہو گیا ہے، اسی طرح اختلاف نسخ بھی ہے مگر عوامی پذیرائی، خواص کی وحشت اور زبان کا 'کھردراپن' یا کھراپن ہر مقام پر چغلی کھاتا ہے کہ یہ جعفر زٹلی کا کلام ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جعفر زٹلی، زٹل نامہ :کلیاتِ جعفر زٹلی، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۴

۲۔ ایضاً، ص ۱۳

۳۔ ایضاً، ص ۱۲

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن)، جلد دوم، ص ۱۰۸

۵۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، (لاہور، ۱۸۹۹ء)، ص ۲۱

۶۔ نند کشور وکرم، اردو کے ۱۰۰ نامور شاعر (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۷ء)، ص ۵۴۷

۷تا۱۴۔ بحوالہ: علی جاوید، جعفر زٹلی کی احتجاجی شاعری، (دہلی: رائٹرز گلڈ انڈیا، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۶۔۱۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۷۔ زٹل نامہ، ص ۹۴

۱۸۔ جعفر زٹلی کی احتجاجی شاعری، ص ۵۹۔۶۰

۱۹۔ ایضاً، ص ۶۱